اسلام اور مغرب

محمد اقبال کیلانی، الریاض
مؤلف سلسلہ کتب تفہیم السنہ

اسلامی جنگیں، دہشت گردی یا امن عالم کی ضمانت!؟

اللہ کی راہ میں مقدس جنگ 'جہاد فی سبیل اللہ' کا ایک حصہ ہے کیونکہ 'جہاد' غلبہ اسلام کے لئے 'مقابلے کی محنت' کو کہتے ہیں خواہ وہ علمی ہو، بدنی یا مالی۔ جہاد فی سبیل اللہ شریعت کی ایک جامع مانع اصطلاح ہے لیکن کچھ ہماری کم فہمی اور کچھ غیروں کی سازشوں سے اس کا مفہوم اتنا بگڑا کہ جہاد کو صرف جنگی کاروائیوں کے لئے ہی بولا جانے لگا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف نبی اکرم ﷺ کی پوری مکی زندگی تنظیم وجہاد سے خالی قرار پائی حالانکہ مکی سورتوں میں جابجا جہاد کا ذکر ہے تو دوسری طرف مسلمان کا انفرادی جھگڑا بھی 'جہاد' سمجھا جانے لگا جبکہ اسلام کی رو سے ایسا نہیں کیونکہ اگر ڈکیتی کے دوران کوئی مسلمان اپنے جان و مال یا عزت کی حفاظت میں مارا جائے تو وہ 'شہید' تو ہوگا لیکن اصطلاح میں اسے 'جہاد' نہیں کہتے۔ اسی طرح صلح حدیبیہ کے بعد اگر ابوجندلؓ اور ابوبصیرؓ وغیرہ کی انفرادی کارروائیوں کو 'جہاد فی سبیل اللہ' کا نام دیا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ ان سے کیوں لاتعلق رہے؟ یہی وجہ ہے کہ علماءِ دین ان کارروائیوں کو 'جہاد' کے بجائے مشاغبة (جھگڑا) کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں..... غرض 'جہاد' افراط وتفریط سے پاک اسلامی اجتماعیت کا ایک اہم نظام ہے جسے جمہوریت یا آمریت کے بالمقابل پیش کرکے دورِ حاضر میں اسلام کے مثبت امتیازی رویے اجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔

زیر نظر مقالے میں محترم پروفیسر صاحب نے جبر وتشدد کے بالمقابل اگرچہ اسلامی جنگوں کا اعلیٰ مقصد اور امن کا پہلو اجاگر کرنے کی قابل تعریف کاوش فرمائی ہے لیکن وہ بھی عوامی رو سے متاثر ہوکر اسلامی تعلیمات کی تشریح میں تقریباً ہرجگہ 'قتال' یا 'جہاد' کو مترادف ہی قرار دیئے چلے جارہے ہیں حالانکہ باریک بین محدثین اور فقہاء نے جہاد وقتال کو علیحدہ علیحدہ ابواب میں تقسیم کیا ہے مثلاً امام بخاریؒ نے صحیح بخاری کی پہلی جلد میں کتاب الجہاد کے تحت احادیث جمع کی ہیں تو دوسری جلد میں مسلمانوں کے قتال کے لئے کتاب المغازي کا مستقل عنوان قائم کیا ہے۔

اس نکتہ کی وضاحت اس لئے بھی ضروری ہے کہ افغانستان میں طالبان کے خلاف بغاوت ہو یا سعودی حکومت کے خلاف بیت اللہ پر مسلح قبضہ کی کارروائی، ہرجگہ اسے بلا دریغ جہاد فی سبیل اللہ ہی نہ سمجھ لیا جائے تاکہ دنیا کے مختلف خطوں میں مسلمان حکمرانوں کی کمزوریوں کے باوجود ہرجگہ نوجوانوں کی کسی خاص ردعمل کے تحت مشتعل ہوکر مسلح کارروائیوں کی غیر مشروط حوصلہ افزائی نہ ہو۔ اس طرح جہاد یا ارہاب (دہشت گردی) میں فرق کرنا مشکل ہورہا ہے اور غیروں کو بھی اسلامی اصطلاحات کی غلط توجیہات کی صورت اسلام کو بدنام کرنے کا موقع مل رہا ہے۔

علاوہ ازیں مسلمانوں کی حریت وآزادی کی تحریکوں کی غیر مشروط حمایت کے لئے 'جہاد فی سبیل اللہ' کا نعرہ اس وقت بڑی تکلیف دہ صورت اختیار کرلیتا ہے جب آزاد ہونے والے علاقوں میں بے پناہ قربانیوں کے باوجود اسلام کی بجائے جمہوریت یا فسطائیت کے لادینی نظام ہی نافذ ہوتے ہیں۔ کاش اہل علم وقلم جوشیلے نعروں کے بجائے اپنی سنجیدہ تحریروں میں اسلامی تعلیمات کے مثبت پہلو بھی اجاگر کریں تاکہ مسلمان عوام میں بھیڑ چال کا مزاج تبدیل ہوسکے۔ (محدث)

کتاب وسنت میں جہاد فی سبیل اللہ کی زبردست ترغیب کے بعد قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی حرب وجنگ میں یوں بے دریغ مرنے اور مارنے کا مقصد کیا ہے؟ کیا یہ مذہبی تعصب یا مذہبی جنون کا نتیجہ ہے یا ہوسِ دولت اور ہوسِ ملک گیری کا نتیجہ ہے یا محض دہشت گردی اور فساد فی الارض برپا

کرنا اس کا مقصد ہے؟ جہاد کے حوالے سے یہ سوال بڑا اہم ہے۔ کتاب وسنت کی روشنی میں ہم اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کریں گے..... تاریخ انسانی میں جتنی بھی جنگیں لڑی گئی ہیں ان کے پیچھے دوسرے محرکات کے علاوہ دو بڑے محرکات یہ رہے ہیں :

۱۔ ہوسِ دولت اور ہوسِ ملک گیری ۲۔ مذہبی جبر

ہم باری باری ان دونوں محرکات کا تجزیہ کر کے یہ دیکھیں گے کہ ان میں سے کون سا جذبہ محرکہ جہادِ اسلامی کے پیچھے کارفرما ہے۔

(ا) ہوسِ دولت اور ہوسِ ملک گیری

ہمارے سامنے اس صدی کی دو عظیم جنگوں کی تاریخ موجود ہے، ان دونوں جنگوں میں فریقین کے اَغراض و مقاصد درج ذیل تھے۔ جنگِ عظیم اوّل (۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء) کے اَغراض و مقاصد:

۱۔ ۱۸۷۰ء میں جرمنی نے زبردستی فرانس کے علاقوں پر قبضہ کرلیا۔

۲۔ جرمنی کی بڑھتی ہوئی تجارتی اور صنعتی ترقی روکنے کے لئے برطانیہ ان بحری تجارتی راستوں پر اپنا قبضہ کرنا چاہتا تھا جن پر جرمنی قابض تھا جبکہ جرمنی ان بحری تجارتی راستوں کو بھی اپنے قبضہ میں لینا چاہتا تھا جو برطانیہ کے قبضہ میں تھے۔

۳۔ ۱۹۰۷ء میں روس اور فرانس نے برطانیہ سے ترکی اور جزیرہ نمائے بلقان میں اپنی تجارت بڑھانے کے لئے معاہدہ کیا جبکہ جرمنی اور آسٹریلیا نے اپنی تجارت کو فروغ دینے کے لئے جزیرہ نمائے بلقان پر قبضہ کرنے کا معاہدہ کیا۔

جنگِ عظیم اوّل کے یہ تین بنیادی اسباب تھے۔ تینوں ہی ہوس ملک گیری، ہوس دولت اور وسعت تجارت کے جذبہ سے معمور ہیں..... اب ایک نظر جنگِ عظیم دوم (۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۵ء) کے اغراض و مقاصد پر ڈالئے جو کہ درج ذیل تھے:

۱۔ جرمنی نے ۱۹۳۸ء میں آسٹریا پر اور ۱۹۳۹ء میں چیکوسلواکیہ پر زبردستی قبضہ کرلیا۔

۲۔ اٹلی پہلی جنگِ عظیم کا فاتح تھا جسے شکوہ تھا کہ اسے فتح کے کماحقہ ثمرات نہیں ملے چنانچہ اس نے ۱۹۳۶ء میں ایتھوپیا پر زبردستی قبضہ کرلیا۔

۳۔ ۱۹۳۹ء میں جاپان نے چین کے ایک صوبہ پر زبردستی قبضہ کرلیا۔

۴۔ ۱۹۳۹ء میں سوویت یونین اور جرمنی نے ایک خفیہ معاہدے کے ذریعہ پولینڈ کے حصے بخرے کرکے آپس میں بانٹ لئے، بعد میں عدم اعتماد کی وجہ سے سوویت یونین نے فن لینڈ پر قبضہ کرلیا۔

یہ تھے وہ ارفع واعلیٰ مقاصد جن کی وجہ سے پوری دنیا دوسری مرتبہ تباہی اور ہلاکت سے دوچار ہوئی

ایک نظر عہد حاضر کی دو بڑی جنگوں کے اَسباب وعلل پر بھی ڈالتے چلئے۔ افغانستان کے پہاڑوں، میدانوں اور وادیوں پر مسلسل دس سال تک آگ اور بارود برسانے والے سوویت یونین کا مقصد صرف یہ تھا کہ کم وبیش آدھی دنیا پر پھیلی ہوئی اپنی عظیم سلطنت کو وسعت دے کر بحر ہند کے گرم پانیوں تک پہنچ کر بین الاقوامی بحری تجارتی شاہراہوں پر اپنا قبضہ جما سکے۔

ہمارے عہد کی دوسری ہلاکت خیز جنگ 'جنگِ خلیج' ہے جس کے بارے میں اب کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی کہ یہ ڈرامہ بڑی فنکاری سے صرف عربوں کی دولت ہتھیانے کے لئے سٹیج کیا گیا تھا۔ عرب گیس اینڈ پٹرول انسٹیٹیوٹ کی اطلاع کے مطابق اس جنگ میں اسلحہ خریدنے پر عربوں کی جو رقم خرچ ہوئی وہ پٹرول کی سالانہ آمدنی سے دس گنا زیادہ ہے۔ خبر کے مطابق اس جنگ کی وجہ سے مجموعی طور پر پٹرول برآمد کرنے والے ممالک کو سات سوبلین ڈالر سالانہ کا نقصان برداشت کرنا پڑ رہا ہے۔ (ماہنامہ 'صراطِ مستقیم' برمنگھم، جلد ۱۶ شمارہ ۶، ۱۹۹۵ء) ...... یہ ہیں اقوامِ عالم کی جنگوں کے وہ جلیل وعظیم مقاصد جن کے لئے کرۂ ارضی کے انسانوں کو بار بار آگ اور خون میں نہلایا گیا۔

آیئے اب ایک نظر اسلامی تعلیمات پر ڈالیں اور دیکھیں کہ جلبِ زر، حصولِ غنائم اور وسعت تجارت کی خاطر اسلام قِتال کی اجازت دیتا ہے یا نہیں؟

زمانہ جاہلیت میں غنائم کا حصول اور جلبِ زر قتل وغارت کا ایک بہت بڑا محرک تھا لیکن اسلام نے مسلمانوں کو ایسی تعلیم دی جس سے غنائم کے بارے میں ان کی سوچ یکسر بدل گئی۔ ایک آدمی نے عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ! ایک آدمی جہاد فی سبیل اللہ کا ارادہ رکھتا ہے اور ساتھ دنیا کا مال بھی حاصل کرنا چاہتا ہے (اس کے لئے کتنا ثواب ہے؟)'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس کے لئے کوئی اجر وثواب نہیں'' (ابوداود) ...... ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے اللہ کی راہ میں جنگ کی لیکن اس کی نیت اونٹ باندھنے کی ایک رسی حاصل کرنے کی تھی تو اسے وہی چیز ملے گی جو اس کی نیت تھی (یعنی وہ اجر وثواب سے قطعاً محروم رہے گا)'' (نسائی) ...... ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص جہاد کے بعد مالِ غنیمت حاصل کرتا ہے وہ آخرت میں ایک تہائی ثواب حاصل کرے گا اور جو مالِ غنیمت نہیں پاتا وہ سارا اجر آخرت میں پائے گا'' (نسائی) ...... اس تعلیم نے زمانہ جاہلیت کی سوچ کو مکمل طور پر بدل دیا۔ ایک اَعرابی جہاد میں شریک ہوا، جہاد کے آخر میں مالِ غنیمت سے اس کا حصہ نکالا گیا تو اس نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کردیا کہ میں جہاد میں مال حاصل کرنے کے لئے شریک نہیں ہوا بلکہ اس لئے شریک ہوا کہ تیر آ کر میرے حلق میں لگتا اور میں شہید ہو جاتا'' (نسائی) ...... غزوۂ بدر میں مالِ

غنیمت کی تقسیم کے بارے میں صحابہ کرامؓ میں اختلاف پیدا ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی

﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ (سورۃ انفال:۱)

''لوگ تم سے مالِ غنیمت کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہو: یہ مال تو اللہ اور اس کے رسول کا ہے''

چنانچہ اس آیت کے نزول کے بعد صحابہ کرامؓ کے تمام اختلافات ختم ہوگئے اور رسولِ اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق مالِ غنیمت تقسیم فرمایا۔ (مسند احمد)

اسلامی تعلیمات کے بعد اب چند مثالیں پیغمبر اسلامؐ کی حیاتِ طیبہ سے ملاحظہ فرمائیں:

☆ ۷ ہجری میں مکہ فتح ہوا تو مسلمانوں کو ان کی جائیدادوں، ان کے اَموال، ان کے کاروبار سے محروم کرنے والے درندہ صفت مجرم لوگ فاتح کے سامنے دست بستہ حاضر تھے۔ آپ ﷺ چاہتے تو انہیں ان کی جائیدادوں اور ان کے اَموال سے اسی طرح محروم کرسکتے تھے جس طرح انہوں نے مسلمانوں کو کیا تھا لیکن تاریخ انسانی میں حسن عمل اور عظمتِ کردار کی ایسی ایک بھی مثال نہیں ملتی کہ صحابہ کرامؓ نے کفار کی جائیدادوں اور اَموال کو چھوڑ اپنی چھینی ہوئی جائیدادوں اور اَموال کی واپسی کا مطالبہ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو مال اور جائیدادیں اللہ کے لئے چھوڑ چکے ہو، انہیں واپس نہ لو'' (غزواتِ مقدس از محمد عنایت اللہ وارثی، ص ۳۵)

صحابہ کرامؓ نے پیغمبر اسلام ﷺ کے اس منفرد اور تابناک فرمان کے سامنے فوراً سرِتسلیم خم کردیا۔ کیا لوٹ مار کرنے، غنائم حاصل کرنے، دوسروں کی تجارت پر قبضہ کرنے، دولت سمیٹنے والے جاہ پسند اور اقتدار پرست فاتحین کا طرزِ عمل ایسا ہی ہوتا ہے؟

☆ سقوطِ مکہ کے بعد حنین فتح ہوا تو مالِ غنیمت میں ۲۴ ہزار اونٹ، ۴۰ ہزار بکریاں اور ۶ ہزار کلو گرام چاندی حاصل ہوئی، اسیرانِ جنگ کی تعداد ۶ ہزار تھی۔ اموالِ غنیمت تقسیم کرنے سے قبل رسول اکرم ﷺ نے پورے دو ہفتہ انتظار فرمایا تاکہ اگر کوئی وفد تائب ہوکر گفت وشنید کے لئے آئے تو تمام اَموالِ غنیمت واپس کردیئے جائیں جب کوئی وفد نہ آیا تو آپ ﷺ نے سارے اَموال لشکر اسلام میں اس طرح تقسیم فرمائے کہ صرف اپنی چادر باقی رہ گئی۔ اس کے بعد لوگوں کو مخاطب کرکے فرمایا:

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر میرے پاس تہامہ کے درختوں کی تعداد کے برابر مویشی ہوتے تو میں انہیں بھی تمہارے درمیان تقسیم کردیتا اور تم مجھے ایسا کرتے ہوئے نہ بخیل پاتے، نہ بزدل، نہ جھوٹا۔''

کوئی ذی ہوش آدمی یہ تصور کرسکتا ہے کہ تاریخ عالم میں ایسی زرّیں مثالیں پیش کرنے والا فاتح جس مذہب کی تعلیم لے کر آیا ہے وہ حصولِ غنائم کے لئے، دولتِ دنیا سمیٹنے کے لئے، جلبِ زر کیلئے اور دوسروں کے وسائل معیشت وتجارت پر قبضہ کرنے کیلئے قتال اور خون ریزی کی اجازت دے سکتا؟ ہرگز نہیں!!

(۲) مذہبی جبر

خون ریزی اور جنگ وجدل کا دوسرا بڑا جذبہ محرکہ مذہبی جبر رہا ہے، چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

۵۲۳ء میں یمن کے یہودی بادشاہ ذونواس نے عیسائیوں کے مرکز نجران پر حملہ کیا تاکہ وہاں سے عیسائیت کا خاتمہ کرکے لوگوں کو یہودیت اختیار کرنے پر مجبور کرے۔ عیسائیوں نے یہودیت اختیار کرنے سے انکار کردیا تو ذونواس نے حاکم نجران 'حارثہ' کو قتل کردیا۔ اس کی بیوی 'رومہ' کے سامنے اس کی دو بیٹیوں کو قتل کیا اور ماں کو بیٹیوں کا خون پینے پر مجبور کیا۔ بعد میں 'رومہ' کو بھی قتل کردیا۔ بشپ پال کی ہڈیاں قبر سے نکال کر جلائیں، گڑھے کھود کر ان میں آگ جلوائی جن میں عورتوں، مردوں، بچوں، بوڑھوں سب کو پھینکوا دیا۔ مجموعی طور پر ۲۰ ہزار سے ۴۰ ہزار تک زندہ انسانوں کو آگ میں جلا دیا، اس واقعہ کا تذکرہ قرآنِ مجید سورۂ بروج میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

﴿وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ﴾ (آیت ۸)

''اہل ایمان سے ان کی دشمنی اس کے سوا کسی وجہ سے نہ تھی کہ وہ اس اللہ پر ایمان لائے تھے جو زبردست اور اپنی ذات میں آپ محمود ہے'' (تفہیم القرآن: جلد ششم، سورۂ بروج، حاشیہ ۴)

۳۰۳ء میں شہنشاہ روم ڈریوکلیٹیان نے اپنی مملکت سے عیسائیت ختم کرنے کے لئے حکم جاری کیا کہ تمام کلیسا مسمار کردیئے جائیں۔ انجیلیں جلا دی جائیں، کلیساؤں کے اَوقاف ضبط کرلئے جائیں، جو شخص مسیحی مذہب پر اصرار کرے، اسے قتل کردیا جائے۔ اس حکم کے باوجود جن عیسائیوں نے عیسائیت ترک کرنے سے انکار کیا، ان کے بدن زخمی کرکے ان پر سرکہ اور نمک ڈالا جاتا، بعد میں ان کی بوٹی بوٹی کاٹی جاتی۔ بعض اوقات ان کو عبادت گاہوں میں بند کرکے آگ لگا دی جاتی، زیادہ لطف اٹھانے کے لئے ایک ایک عیسائی کو پکڑ کر دہکتے ہوئے اَنگاروں پر لٹا دیا جاتا یا لوہے کے کانٹے اس کے بدن میں بھونکے جاتے۔ (الجہاد فی الاسلام از ابوالاعلیٰ مودودیؒ، ص ۴۴۸)

۱۴۹۲ء میں سپین سے مسلمانوں کی حکومت ختم ہوئی تو صرف آٹھ برسوں کی قلیل مدت میں وہاں کی عیسائی حکومت نے مسلمانوں سے اِسلام چھڑانے کی مہم شروع کردی۔ سپین کے ساڑھے تین لاکھ سرکردہ مسلمانوں کو ایک مذہبی عدالت کے سامنے پیش کیا گیا۔ عدالت نے ۲۸ ہزار ۵ سو ۴۰ مسلمانوں کو موت کی سزا سنائی اور بارہ ہزار مسلمانوں کو زندہ جلانے کا حکم دیا۔ مسلمانوں کی سینکڑوں لائبریریاں جن میں لاکھوں کتابیں تھیں، نذرِ آتش کردیں۔ بالآخر ۱۶۱۰ء میں تمام مسلمانوں کو ترکِ وطن کا حکم دے دیا گیا۔ ڈیڑھ لاکھ عربوں کا ایک قافلہ بندرگاہ کی طرف جارہا تھا کہ بلیڈا نامی ایک پادری نے غنڈوں کو ساتھ ملا کر قافلہ پر حملہ کردیا اور ایک لاکھ مسلمان قتل کرڈالے، اس کے بعد مسلمانوں کے گھروں، گلیوں اور بازاروں

میں قاتلانہ حملے شروع ہوگئے حتیٰ کہ ۱۶۳۰ء تک ایک بھی مسلمان سپین میں باقی نہ رہا۔ (یورپ پر اسلام کے احسان از ڈاکٹر غلام جیلانی برق: ص ۸۷،۸۸)

مارچ ۱۹۹۲ء میں بوسنیا ہرزگووینا کے شہریوں نے ایک ریفرنڈم میں ۹۹.۴ فیصد کثرت سے آزادی کی حمایت میں ووٹ دیئے جس کے نتیجہ میں بوسنوی مسلمانوں نے اپنی آزاد ریاست کا اعلان کردیا۔ اعلانِ آزادی کے دن سے لے کر آج کے دن تک مسلمانوں پر جو قیامت خیز مظالم ڈھائے جارہے ہیں، اس کی وجہ اس مذہبی جبر کے علاوہ اور کیا ہے کہ یورپی عیسائی برادری اپنے درمیان کسی آزاد مسلمان ریاست کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں۔

مذکورہ مثالوں میں خون ریزی، غارت گری، درندگی اور سفاکی کا جذبہ محرکہ صرف مذہبی جبر ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ یہ گھناؤنا اور مکروہ کردار ان اَقوام کا ہے جنہوں نے یہ پروپیگنڈہ کرتے کرتے زمین و آسمان کے قلابے ملا رکھے ہیں کہ ''اِسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے، مسلمان دہشت گرد اور ڈاکو ہیں''[1] یہ پروپیگنڈہ اس قدر فنکاری اور عیاری سے کیا گیا ہے کہ ان کی اپنی خونخوار اور مکروہ تصویر اس پروپیگنڈے کے پیچھے چھپ گئی ہے۔ لیکن کیا حقیقت بھی ایسی ہی ہے؟ آیئے حقائق کی روشنی میں اس پروپیگنڈہ کا جائزہ لیں:

دعوت اور اشاعتِ اسلام کے بارے میں قرآنِ حکیم نے مسلمانوں کو جو بنیادی اَحکام دیئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''دین کے معاملہ میں زبردستی نہیں'' (البقرۃ: ۲۵۶) یعنی کسی کو دین منوانے کے لئے شریعتِ اسلامیہ میں زبردستی یا جبر کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ آیتِ مبارکہ کا شانِ نزول یہ ہے کہ اَنصار کے ایک قبیلہ بنوسالم بن عوف کے ایک آدمی کے دولڑکے عیسائی تھے، انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے اجازت دی جائے کہ میں ان لڑکوں کو جبراً مسلمان بنالوں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر ابن کثیر)

۲۔ سورۂ کہف میں اللہ تعالیٰ کا ارشادِ مبارک ہے: ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾
''جس کا جی چاہے ایمان لائے، جس کا جی چاہے انکار کردے'' (آیت ۲۹)

آیتِ کریمہ کا مطلب بالکل واضح ہے کہ اسلام میں زبردستی دین منوانے کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا۔ ہر آدمی کو مکمل اختیار دیا ہے کہ وہ چاہے تو اِسلام قبول کرے، جو چاہے نہ کرے۔ اگر دین زبردستی

---

(۱) چند سال قبل امریکہ کے یہودی ایمرسن نے ایک فلم 'جہاد اِن امریکہ' بنائی جس میں مسلمانوں کو ڈاکو اور دہشت گرد دکھایا گیا ہے۔ (ہفت روزہ 'تکبیر' ۴؍مئی ۱۹۹۵ء)

منوانا مقصود ہوتا تو پھر جزا اور سزا کا مقصد ہی ختم ہوجاتا ہے۔ قرآنِ مجید میں اس مضمون کی بے شمار آیات ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں: (۱۹:۷۳)، (۲۹:۷۶)، (۱۲:۸۰)، (۸۱:۲۷۔۲۸)

۳۔ رسولِ اکرم ﷺ کو دورانِ دعوت جن حالات سے سابقہ پیش آرہا تھا، ان سے بعض اوقات آپ ﷺ پریشان ہوجاتے کہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں بار بار یہ وضاحت ارشاد فرمائی ﴿وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ﴾ ''اگر لوگ روگردانی کریں تو تم پر صرف پیغام پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے'' (سورۂ آلِ عمران:۲۰) یعنی اگر لوگ ایمان نہیں لاتے تو آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، آپ کی ذمہ داری صرف پیغام پہنچانا ہے۔ زبردستی منوانا نہیں۔ اس مضمون کی دوسری آیات میں سے چند ایک یہ ہیں (۹۹:۵)' (۳۵:۱۶)' (۴۲:۴۸)' (۸۸:۲۱،۲۲)

جہاد کے اَحکام دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ''کافروں سے جنگ کرو حتیٰ کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں''[۲] (سورۂ توبہ:۲۹) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ کافروں سے جنگ کرو حتیٰ کہ وہ مسلمان ہوجائیں بلکہ یہ فرمایا ہے کہ جب کافر جزیہ ادا کرنے پر راضی ہوجائیں تو جنگ بند کردو۔ جزیہ کا قانون بذاتِ خود اس بات کا ثبوت ہے کہ اسلام زبردستی کسی کو مسلمان نہیں بنانا چاہتا۔ سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے: ''کافروں سے جنگ کرو حتیٰ کہ فتنہ باقی نہ رہے'' (سورۂ بقرہ:۱۹۳) یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ کافروں سے اس وقت تک جنگ کرو جب تک وہ مسلمان نہیں ہوجاتے بلکہ مطلوب یہ ہے کہ دین اسلام کو غالب اور نافذ کرنے میں دشمنانِ اسلام کی کھڑی کی ہوئی رکاوٹیں دور ہوجائیں۔

قرآنی احکام کے بعد سنتِ مطہرہ کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

۱۔ غزوۂ بدر میں کافروں کے ۷۰ آدمی قید ہوئے جنہیں رہا کرنے کے لئے دو شرطیں مقرر کی گئیں پہلی یہ کہ فدیہ اَدا کیا جائے۔ دوسری یہ کہ جو فدیہ نہ دے سکے وہ دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دے۔ چند آدمیوں کو رسولِ اکرم ﷺ نے غیر مشروط طور پر بطورِ احسان بھی رہا فرمایا۔ اگر زبردستی اسلام منوانا مطلوب ہوتا تو رسول اللہ ﷺ سب سے پہلے یہی شرط مقرر فرماتے کہ جو شخص مسلمان

(۲) جزیہ سے مراد وہ ٹیکس ہے جو اسلامی حکومت غیر مسلموں سے وصول کرتی ہے جس کے بدلے میں اسلامی حکومت ان کے جان ومال کی حفاظت کرتی ہے۔ جزیہ ادا کرنے والے غیر مسلموں کو اس بات کی مکمل آزادی حاصل ہوتی ہے کہ وہ اسلامی حکومت کے قوانین کی حدود میں رہتے ہوئے اپنے عقیدہ اور مذہب پر عمل کرتے رہیں لیکن انہیں اپنے عقیدہ اور مذہب کی اشاعت کا حق حاصل نہیں ہوتا۔

ہوجائے، اسے رہا کردیا جائے گا، لیکن آپ ﷺ نے ایسا نہیں فرمایا۔

۲۔ غزوۂ بنو نضیر میں یہودیوں پر مکمل غلبہ حاصل کرنے کے بعد از راہِ عفو وکرم ان کی جان بخشی کی اور پورے امن اور سلامتی کے ساتھ انہیں مدینہ منورہ سے نکلنے کا راستہ بھی دیا۔ اگر آپ تلوار کے زور سے اسلام منوانا چاہتے تو اس سے بہتر موقع اور کون سا تھا......؟

۳۔ سقوطِ مکہ کے بعد رسولِ اکرم ﷺ نے عام معافی کا اعلان فرمایا، آپ ﷺ کا جاری کردہ فرمان تاریخ کے اَوراق میں سنہری حروف سے ثبت ہے: ''جو ہتھیار ڈال دے، اسے قتل نہ کیا جائے۔ جو حرم میں داخل ہوجائے، اسے قتل نہ کیا جائے۔ جو اپنے گھر کے اندر بیٹھا رہے، اسے قتل نہ کیا جائے۔ جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے لے، اسے قتل نہ کیا جائے۔ جو حکیم بن حزام کے گھر میں پناہ لے لے، اسے قتل نہ کیا جائے'' کیا آپ ﷺ اپنے فرمانِ مبارک میں ان الفاظ کا اضافہ نہیں فرما سکتے تھے ''جو اسلام لے آئے، اسے قتل نہ کیا جائے!'' یقیناً ایسا ممکن تھا، لیکن تلوار کے زور سے اسلام منوانا چونکہ اسلام کے ارفع واعلیٰ اصولوں کے خلاف تھا، لہٰذا آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا۔

۴۔ حضرت عمرؓ کا غلام 'اسبق' عیسائی تھا۔ حضرت عمرؓ اسے اسلام کی دعوت دیتے تو وہ انکار کردیتا تو آپ فرماتے ﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾ یعنی دین منوانے میں زبردستی نہیں ہے۔ (ابن کثیر)

حقیقت یہ ہے کہ اشاعتِ اسلام کے سلسلے میں اسلامی تعلیمات اور پیغمبر اسلام ﷺ کا طرزِ عمل اس قدر وسیع النظری اور عالی ظرفی پر مبنی ہے کہ تنگ نظر اور متعصب دشمنانِ اسلام اس کا تصور تک نہیں کرسکتے۔

اب یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوچکی ہے کہ جہاں اقوامِ عالم کی جنگوں کے سب سے بڑے مقاصد میں سے اولاً حصولِ دولت/ جلبِ زر، کمزور اقوام کے وسائل معیشت وتجارت پر قبضہ کرنا اور ثانیاً مذہبی جبر سرفہرست ہیں، وہاں جہادِ اسلامی کے مقاصد کو ان دونوں چیزوں سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اس وضاحت کے بعد یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ جہادِ اسلامی کے مقاصد ہیں کیا......؟ ذیل میں ہم جہادِ اسلامی کے اغراض ومقاصد تحریر کررہے ہیں تاکہ اقوامِ عالم کی جنگوں کے مقاصد کا جہادِ اسلامی کے مقاصد سے تقابل کیا جاسکے:

جہادِ اسلامی کے مقاصد

جہادِ اسلامی کے اہم ترین مقاصد درج ذیل ہیں:

۱۔ قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرٌ﴾

''(قتال کی) اجازت دے دی گئی، ان لوگوں کو جن سے جنگ کی جارہی ہے کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے'' (سورۃ حج: ۳۹)

قرآنِ مجید کی یہ سب سے پہلی آیت ہے جس میں مسلمانوں کو جہاد کی اجازت دی گئی ہے۔ اجازت دینے کی وجہ اللہ تعالیٰ نے بڑی وضاحت سے بیان فرما دی ہے کہ چونکہ مسلمانوں پر مسلسل تیرہ سال تک بے پناہ ظلم وستم ڈھائے گئے، لہٰذا اب انہیں اس بات کی اجازت دی جاتی ہے کہ وہ بھی ظلم کرنے والوں کے خلاف جنگ کریں۔

جہاد کی اجازت دینے کے بعد دوسری آیت جس میں مسلمانوں کو جہاد کا حکم دیا گیا اور جس کے بعد جنگ ِبدر پیش آئی، اس آیت کا مضمون بھی قابل غور ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ، وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْكُمْ﴾ (۲:۱۹۰،۱۹۱)

''تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں مگر زیادتی نہ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ان سے لڑو جہاں بھی تمہارا ان سے مقابلہ ہو اور انہیں نکالو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے''

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے جہاد کے حکم کی وجہ واضح طور پر بیان فرما دی ہے چونکہ کفار نے تمہارے ساتھیوں کو قتل کیا ہے، تمہیں تمہارے گھر بار اور جائیدادوں سے نکال دیا ہے لہٰذا اب ان سے جنگ کرو۔ دونوں آیتوں کو سامنے رکھا جائے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب مسلمانوں پر ظلم وستم کیا جا رہا ہو ان کے گھر بار چھینے جا رہے ہوں، ان کو ان کی جائیدادوں سے بے دخل کیا جا رہا ہو، انہیں قتل کیا جا رہا ہو تو ایسے ظالموں، قاتلوں اور مفسدوں کے خلاف جنگ کرنی چاہئے اور اگر کفار مسلمانوں کو ان کی سرزمین سے نکال دیں یا ان سے اِقتدار چھین لیں تو مسلمانوں کو بھی طاقت حاصل ہونے پر کفار کو وہاں سے نکال دینا چاہئے اور ان سے اقتدار واپس لینا چاہئے۔

ہجرت کے بعد مکہ میں رہائش پذیر مسلمانوں پر کفارِ مکہ کا ظلم وستم بدستور جاری رہا تو ان کی فریاد وفغاں کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِیْرًا﴾ (سورۃ نساء: ۷۵)

''آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور

پا کر دبا لئے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ اے ہمارے ربّ! اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی و مددگار پیدا فرما دے''

یعنی جن مسلمانوں پر ظلم و ستم ہو رہا ہے، خواہ وہ دنیا کے کسی بھی حصہ میں بستے ہوں ان کو ظلم و ستم سے نجات دلانے کے لئے دوسرے تمام مسلمانوں کو جہاد کے لئے اٹھ کھڑے ہونا چاہئے۔

تینوں آیات میں جو اہم اور مشترک نکتہ ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ظلم و تشدد، خون ریزی اور دہشت گردی کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا ہے، خواہ ظالم طاقت کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو۔ پس جہاد کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد دنیا سے ظلم و تشدد، جارحیت، خون ریزی، غارت گری، دہشت گردی اور بدامنی کا مکمل طور پر استیصال اور خاتمہ کرنا ہے۔

۲۔ سورۂ انفال میں جن لوگوں کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ان کا ایک جرم درج ذیل آیت میں بتایا گیا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ فَسَيُنفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ﴾

''جن لوگوں نے حق ماننے سے انکار کیا ہے، وہ اپنے مال خدا کے راستے سے روکنے کے لئے خرچ کر رہے ہیں اور ابھی اور خرچ کرتے رہیں گے مگر آخر کار یہی کوششیں ان کے لئے پچھتاوے کا سبب بنیں گی پھر وہ مغلوب ہوں گے'' (سورۂ انفال: ۳۶)

یعنی جرم یہ ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ کی راہ (دین اسلام) پر آنے سے روکتے ہیں۔ اسی طرح سورۂ توبہ میں اللہ نے جن مشرکوں کے خلاف مسلمانوں کو جنگ کرنے کا حکم دیا ہے، ان کا جرم یہ بتایا گیا ہے:

﴿اشْتَرَوْا بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَصَدُّوا عَن سَبِيلِهِ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾

''ان مشرکوں نے اللہ کی آیتوں کو بہت کم قیمت پر فروخت کیا ہے اور لوگوں کو اللہ کی راہ پر آنے سے روکا ہے، بہت ہی برا کام ہے جو یہ لوگ کر رہے ہیں'' (سورۂ توبہ: ۹)

دونوں آیتوں میں اللہ کی راہ سے روکنے والوں کے خلاف مسلمانوں کو جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ کی راہ سے روکنے کے تین مفہوم ہیں اور تینوں صورتوں میں جہاد کا حکم ہے:

اوّلاً: مسلمانوں کو دین اسلام پر چلنے سے زبردستی روکا جائے، ان کے لئے مشکلات پیدا کی جائیں اور ان کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کی جائیں۔

ثانیاً: جو لوگ مسلمان بننا چاہیں، انہیں زبردستی مسلمان بننے سے روکا جائے۔

ثالثاً: مسلمانوں کو زبردستی مرتد بنایا جائے یہ تمام صورتیں اللہ کی راہ سے روکنے کی ہیں، ایسا کرنے والوں کے خلاف اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے کا حکم دیا ہے۔ دوسرے الفاظ میں مذہبی جبر ختم کرنا اسلامی

عقائد اور نظریات کی نشوونما اور ارتقاء میں رکاوٹ بننے والی باطل قوتوں کا قلع قمع کرنا نیز بحیثیتِ مسلمان اپنے قومی وجود اور قومی یکجہتی کی حفاظت کرنا بھی جہادِ اسلامی کے مقاصد میں شامل ہے۔

۳۔ سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد کا حکم دیا ہے اور ساتھ ہی جہاد کا مقصد بھی بیان فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ﴾

''جنگ کرو اہل کتاب میں سے ان لوگوں کے خلاف جو اللہ اور روزِ آخرت میں ایمان نہیں لاتے اور جو کچھ اللہ اور اس کے رسولؐ نے حرام قرار دیا ہے، اسے حرام قرار نہیں دیتے اور دین حق کو اپنا دین نہیں بناتے (ان سے لڑو) یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں اور زیر دست بن کر رہیں'' (سورۂ توبہ:۲۹)

مذکورہ آیت سے دو باتیں بالکل واضح ہیں:

ا) دین حق کو غالب کرنے کے لئے کفار اور مشرکین کے خلاف جہاد کرنے کا حکم ہے۔

ب) غیر مسلموں کو بزورِ تلوار مسلمان بنانا مطلوب نہیں بلکہ اسلام کو غالب کرنے میں ان کی فعال تخریبی قوتوں کا قلع قمع کرنا مطلوب ہے۔ یہی بات اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ میں بھی ارشاد فرمائی ہے:

﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَّيَكُونَ الدِّينُ لِلّٰهِ﴾ (سورۂ بقرہ:۱۹۳)

''کافروں سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لئے ہوجائے''

اس آیت میں دین اسلام کو غالب کرنے کے لئے جہاد کا حکم دیا گیا ہے اور ساتھ ہی یہ ارشادِ مبارک ہے کہ دین کو غالب کرنے کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرنے کا فتنہ جب تک ختم نہ ہوجائے، اس وقت تک جنگ کرتے رہو۔

یاد رہے کہ دین اسلام کی بنیاد عقیدۂ توحید ہے جس کے مطابق اس دنیا کا خالق، مالک، رازق، معبود، آقا اور شہنشاہ صرف ایک اللہ کی ذات ہے، باقی ساری مخلوق اس کے عاجز بندے اور دست بستہ غلام ہیں جو اس کے آگے جوابدہ ہیں لہٰذا کسی انسان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ خود لوگوں کا آقا بن جائے اور دوسروں کو اپنا غلام بنا کر ان پر ظلم وستم کرنے لگے، کسی پیشوا کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ خود بندوں کا معبود بن کر ان سے اپنی پوجا کروانے لگے، کسی دولت مند کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ خود بندوں کا رازق بن کر ان کو ذلیل ورسوا کرنے لگے، کسی طاقتور کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ خود بندوں کا مالک بن جائے اور ان کی عزتوں

سے کھیلنے لگے، کسی حاکم کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ لوگوں کا شہنشاہ بن جائے اور رعایا کے حقوق پامال کرنے لگے گویا بنیادی طور پر دین اسلام امن، سلامتی، مساوات، عدل وانصاف اور اُخوت کا مذہب ہے اور ظلم و زیادتی، جبر وتشدد، بدامنی و دہشت گردی، خون ریزی اور غارت گری کا شدید دشمن ہے لہٰذا دین اسلام کو غالب کرنے کا مطلب اَمن و سلامتی، عدل و انصاف، مساوات اور اُخوت کا قیام اور ظلم و زیادتی جبر وتشدد، بدامنی، دہشت گردی، خون ریزی اور غارت گری کا خاتمہ اور استیصال ہے۔

بعض دیگر جنگی اُمور کا تقابلی جائزہ

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، اس لئے اس نے مسلمانوں کو زندگی کے ہر معاملہ میں ہدایات دی ہیں۔ جہاد فی سبیل اللہ کے بارے میں بھی مسلمانوں کو ایسے قواعد وضوابط کا پابند بنایا گیا ہے جو کہ

اولاً: قیامت تک کے لئے نافذ العمل ہیں۔

ثانیاً: ان قواعد وضوابط میں کسی بڑی سے بڑی اتھارٹی کو تغیر وتبدل کا اختیار نہیں۔

ثالثاً: ان قواعد وضوابط کا ہر وہ شخص پابند ہے جو اپنے آپ کو مسلمان کہلاتا ہے۔ اگر کوئی فاتح یا سپہ سالار ان قواعد وضوابط پر دورانِ جہاد عمل نہیں کرتا تو شریعت کی نگاہ میں وہ قانون شکن اور مجرم ہے جس کی اللہ کے ہاں قیامت کے روز باز پرس ہوگی۔ اس کے مقابلہ میں مغربی اَقوام کے بارے میں یہ حقائق تاریخ کے ریکارڈ میں محفوظ ہیں کہ :

اولاً: سترہویں صدی کے ابتدا تک مغربی اَقوام کے ہاں قانونِ جنگ نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ (۳)

ثانیاً: مغربی اَقوام کے وضع کردہ قوانین جنگ ان کے اپنے مفادات کے تابع ہی وضع کئے گئے ہیں جن میں حسبِ ضرورت نہ صرف تغیر وتبدل ہوتا رہتا ہے بلکہ قانون بنانے والے جب چاہتے ہیں، اپنے ہی قانون کی دھجیاں اڑا دیتے ہیں۔ (۴)

ثالثاً: ان قوانین کی پابندی صرف وہ اَقوام کرتی ہیں جو باقاعدہ اس معاہدہ میں شریک ہوتی ہیں، دیگر اَقوام ان قوانین کی پابندی سے آزاد ہوتی ہیں۔

---

(۳) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، الجہاد فی الاسلام: باب ہفتم 'جنگ تہذیب جدید میں'

(۴) پہلی مرتبہ ۱۸۶۸ء میں جنیوا اور دوسری مرتبہ ۱۸۷۴ء میں برسلز کانفرنس میں یورپ کی مہذب ترین حکومتوں میں یہ طے پایا کہ جنگ میں آتش گیر مادّہ اور زہریلی گیس استعمال نہیں کی جائے گی۔ لیکن جنگ ِعظیم دوم (۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۵ء) میں ہٹلر نے ساٹھ لاکھ انسان گیس چیمبروں کے ذریعے ہلاک کرکے اس قانون کے پرخچے اُڑا دیئے۔

اگست ۱۸۶۴ء میں یورپ کی تمام حکومتوں نے ایک سمجھوتے پر دستخط کئے جس کے مطابق فوجی ہسپتالوں کا عملہ غیر جانبدار قرار دیا گیا اور بیماروں، زخمیوں کے علاج میں مزاحمت کو ناجائز قرار دیا گیا لیکن جنگ ِعظیم اوّل (۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء) میں فریقین نے ایک دوسرے کے ہسپتالی جہاز بڑی دیدہ دلیری سے غرق کرکے اس قانون کی دھجیاں اُڑا دیں۔

اسلامی جنگوں اور غیر مسلموں کی جنگوں کا تقابلی مطالعہ

جہادِ اسلامی کے قواعد وضوابط اور دنیاوی جنگوں کے خود ساختہ قوانین میں اس بنیادی فرق کی وضاحت کے بعد ہم جہادِ اسلامی اور اقوامِ مغرب کی جنگوں کے بعض اُمور کا تقابلی جائزہ پیش کر رہے ہیں جو ہمیں یہ فیصلہ کرنے میں مدد دے گا کہ تاریخ کی میزانِ عدل میں خون ریزی، غارت گری، دہشت گردی، درندگی، سفاکی اور بربریت اَقوامِ مغرب کی جنگوں کے پلڑے میں ہے یا جہادِ اسلامی کے پلڑے میں؟

ا۔ آدابِ قتال

رسولِ اکرم ﷺ نے دورانِ جہاد مختلف مواقع پر جو ہدایات ارشاد فرمائیں، وہ یہ ہیں:

دورانِ جہاد دشمن کے مقتولین کا مثلہ نہ کرنا (بخاری) ...... دشمن کی اَملاک میں لوٹ مار نہ کرنا (ابوداود) ...... دشمن کو اَذیت دے کر قتل نہ کرنا (ابوداود) ...... زیردست دشمن کو آگ میں نہ جلانا (بخاری) ...... دشمن کو امان دینے کے بعد قتل نہ کرنا (ابن ماجہ) ...... دشمن کو دھوکہ سے قتل نہ کرنا (ابوداود)

جنگِ موتہ کے لئے لشکر اسلام کو روانہ کرتے ہوئے درج ذیل ہدایات دیں:

''بدعہدی نہ کرنا، خیانت نہ کرنا، کسی بچے بوڑھے اور درویش کو قتل نہ کرنا، کھجور یا کوئی دوسرا درخت نہ کاٹنا، کسی عمارت کو منہدم نہ کرنا'' (رحمۃ للعالمین از قاضی سلیمان منصور پوری: ۲/۲۷۱)

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے لشکر اسامہؓ کو روانہ فرماتے ہوئے درج ذیل ہدایات دیں: (موطأ مالکؒ)

''خیانت نہ کرنا، مال نہ چھپانا، بے وفائی نہ کرنا، مثلہ نہ کرنا، بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا، ہرے بھرے اور پھلدار درختوں کو نہ کاٹنا، کھانے کے علاوہ جانوروں کو بے کار ذبح نہ کرنا''

ایک فوجی مہم میں حضرت خالد بن ولیدؓ سے غلط فہمی میں کچھ لوگ مارے گئے۔ رسول اکرم ﷺ کو اطلاع ملی تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور فرمایا: ''اے اللہ! خالد نے جو کچھ کیا میں اس سے بری الذمہ ہوں'' (بخاری) بعد میں رسول اکرم ﷺ نے مقتولین کی دیت اور ان کے نقصانات کا معاوضہ ادا فرمایا۔

جنگِ بدر سے چند یوم پہلے حضرت حذیفہؓ اپنے والدِ محترم کے ساتھ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ آرہے تھے، کافروں نے روک لیا اور اس وعدہ پر مدینہ جانے کی اجازت دی کہ اگر جنگ ہوئی تو تم اس میں حصہ نہیں لو گے۔ حضرت حذیفہؓ نے وعدہ کرلیا اور مدینہ پہنچ کر نبی اکرم ﷺ کو صورتِ حال سے آگاہ کردیا۔ جنگ کا موقع آیا تو حضرت حذیفہؓ نے عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ! اب ہم کیا کریں؟'' رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہم قریش سے کئے گئے معاہدے کو پورا کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کریں گے'' چنانچہ حضرت حذیفہؓ خواہش کے باوجود جنگِ بدر میں شریک نہ ہوسکے۔ (حیاتِ صحابہ کے

درخشاں پہلو: حصہ دوم، ص ۱۳۷)

حقیقت یہ ہے کہ پیغمبر اسلام کی ان اعلیٰ وارفع تعلیمات اور ذاتی حسن عمل نے عہد شکنی، دھوکہ دہی، خون ریزی، وحشت بربریت، درندگی اور خونخواری کی حامل جنگوں کا اصولاً خاتمہ کرکے جنگ کو ایک مقدس مشن کا مقام دے دیا اور یہ مقدس مشن 'جہاد فی سبیل اللہ' مسلمانوں کے لئے اسی طرح کی ایک عبادت بنا دیا گیا جیسی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور صدقات وغیرہ عبادت ہیں۔

جنگِ اُحد میں دشمنوں نے رسولِ اکرم ﷺ کا ایک نچلا دانت مبارک توڑ دیا، ہونٹ زخمی ہوگیا، خود کی دو کڑیاں چہرے کے اندر دھنس گئیں اور چہرۂ اقدس خون آلود ہوگیا۔ میدانِ اُحد آپ ﷺ کے جاں نثار ساتھیوں کی لاشوں سے اَٹا پڑا تھا، لاشوں کا مثلہ کیا گیا تھا۔ میدانِ جنگ کا یہ نقشہ دیکھ کر کسی بھی فوج کے سپہ سالار کی جو ذہنی کیفیت ہوسکتی ہے، اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ چنانچہ لمحہ بھر کے لئے انسانی جذبات غالب آگئے اور فرمایا: ''اس قوم پر اللہ کا سخت عذاب ہو جس نے اپنے پیغمبر کا چہرہ خون آلود کردیا'' لیکن فوراً مقدس مشن کے علمبردار رحمۃ للعالمین، محسن انسانیت ﷺ نے اپنی بددعا کو اِس دعا کے ساتھ بدل دیا ''اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے کہ وہ جانتی نہیں'' (الرحیق المختوم: ص ۴۲۱)

مخلوقِ خدا کے رحم وکرم کی یہ بارش، بنی نوع انسان کے لئے عفوو درگزر کا یہ فیضان اور اپنے قاتلوں اور جانی دشمنوں کے لئے ہدایت اور نیکی کی یہ دعائیں اس بات کا واضح اعلان ہیں کہ مطلوب انسانوں کی ہلاکت اور بربادی نہیں بلکہ ہدایت اور فلاح ہے۔ سیرتِ طیبہ کا یہ پہلو عظمتِ کردار کی ایسی رِفعتوں اور بلندیوں کا حامل ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے مصلحین اور فاتحین پیغمبر اسلام ﷺ کی اس شانِ کریمی کے آگے اوندھے منہ پڑے نظر آتے ہیں۔ حق بات یہ ہے کہ بنی نوع انسان پر پیغمبر اسلام کا یہ وہ احسانِ عظیم ہے جس کے بار سے بنی نوع انسان تاقیامت سبکدوش نہیں ہوسکتی۔

اسلام نے یہ پاکیزہ اور اعلیٰ وارفع تعلیمات اس وقت دیں جب اپنے وقت کی مہذب ترین اقوام ......روم وایران......جنگوں میں وحشی جانوروں سے برتر وحشت کا مظاہرہ کررہی تھیں۔

۵۴۰ء میں نوشیروان نے شام پر چڑھائی کی تو اس کے دارالحکومت انطاکیہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی، باشندوں کا قتل عام کیا، عمارتوں کو مسمار کیا، جب اس سے بھی تسکین نہ ہوئی تو شہر میں آگ لگوا دی۔ (الجہاد فی الاسلام: ص ۲۱۲)

۱۰۹۹ء میں عیسائیوں نے جب بیت المقدس پر قبضہ کیا تو مسلمانوں کی حالت یہ تھی کہ ہر طرف ان کے ہاتھ اور پاؤں کے انبار لگ گئے، کچھ آگ میں زندہ پھینکے جارہے تھے، کچھ فصیل سے کود کر ہلاک ہو

رہے تھے اور گلیوں میں ہر طرف سر ہی سر نظر آ رہے تھے۔ حضرت سلیمانؑ کے ہیکل میں دس ہزار مسلمانوں نے پناہ لی تھی، عیسائیوں نے ان سب کو قتل کر ڈالا۔ (یورپ پر اسلام کے احسان: ص ۸۲)

آج کے مہذب ترین یورپ کا حال عہدِ قدیم کے وحشی یورپ سے ذرا بھی مختلف نہیں۔ مارچ ۱۹۹۲ء میں بوسنیا کے مسلمان شہریوں نے ریفرنڈم کے ذریعہ آزادی کا فیصلہ کیا تو متعصب سرب عیسائیوں نے بوسنوی مسلمانوں پر جو ظلم وستم کیے، وہ تاریخ کا سیاہ ترین باب ہے۔ مسلمانوں کے سینوں پر خنجروں سے صلیب کے نشان بنائے گئے، بچوں کو ذبح کر کے ماں باپ کو ان کا خون پینے پر مجبور کیا گیا۔ حاملہ خواتین کے پیٹ چاک کر کے معصوم بچے نکال کر ذبح کئے گئے۔ کم سن نوجوان اور بوڑھی خواتین کی آبروریزی کر کے انہیں قتل کیا گیا۔ مسلمان قیدیوں کے جسموں سے اس طرح خون نکالا گیا کہ وہ سسک سسک کر موت کے منہ میں چلے گئے۔ زندہ انسانوں کے جسموں سے خنجروں کے ساتھ کھال اُتاری گئی۔ بستیوں کی بستیاں اور دیہاتوں کے دیہات نذرِ آتش کئے گئے۔ پناہ گزین زندہ جلا دیئے گئے، لاشوں کا مثلہ کیا گیا، سرکاٹ کر سڑکوں پر فٹ بال کی طرح روندے گئے۔ (۵)

قدیم اور جدید وحشی یورپ کے یہ واقعات کسی تبصرہ کے محتاج نہیں۔ یہ واقعات پڑھ کر کسی بھی ذی ہوش انسان کے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل نہیں کہ دورانِ جنگ احترامِ آدمیت، امن، سلامتی، نیکی، احسان، رحمدلی، خدا ترسی اور شرافت کس پلڑے میں ہے اور ظلم، بربریت، دہشت گردی، شقاوت اور درندگی کس پلڑے میں ہے......؟؟

۲۔ غیر مقاتلین سے سلوک

جنگ میں کسی بھی صورت میں حصہ نہ لینے والے اَفراد مثلاً عورتیں، بچے، بوڑھے، بیمار، زخمی اور معذور لوگ یا گوشہ نشین درویش وغیرہ کو اسلام نے قتل کرنے سے منع کیا ہے۔ رسولِ رحمت کا ارشادِ مبارک ہے ''عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کرو'' (بخاری)......ایک دوسری حدیث میں ارشاد مبارک ہے ''عورتوں اور مزدوروں کو قتل نہ کرو'' (ابوداود)......ایک جنگ میں کچھ لوگ جمع تھے۔ نبی اکرم ﷺ کے استفسار پر بتایا گیا کہ ایک عورت کی لاش پر لوگ جمع ہیں'' آپ ﷺ نے ناراض ہو کر فرمایا: ''عورت تو قتال نہیں کر رہی تھی'' (پھر کیوں قتل کی گئی؟) چنانچہ آپ ﷺ نے فوج کے سپہ سالار حضرت خالد بن ولیدؓ کو پیغام بھجوایا کہ کسی عورت اور مزدور کو قتل نہ کیا جائے۔ (ابوداود)

---

(۵) تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو مجلّہ 'الدعوۃ' لاہور: اگست ۱۹۹۲ء، فروری ۱۹۹۳ء......ہفت روزہ 'تکبیر' کراچی: ۱۵/جولائی ۱۹۹۳ء......ہفت روزہ 'زندگی' لاہور: ۱۳/نومبر ۱۹۹۳ء

عہدِ نبویؐ کی مہذب اَقوام (قیصر و کسریٰ) کا حال یہ تھا کہ ۶۱۳ء میں ایرانی بادشاہ خسرو پرویز نے قیصر روم ہرقل کو شکست دی تو مفتوحہ علاقے میں تمام مسیحی عبادت خانے مسمار کردیئے اور ۶۰ ہزار غیر مقاتلین (عورتوں، بچوں، بوڑھوں) کو تہ تیغ کیا جن میں سے ۳۰ ہزار مقتولوں کے سروں سے شہنشاہِ ایران کا محل سجایا گیا۔ (غزواتِ مقدس: ص ۲۵۷)

ایک نظر ترقی یافتہ یورپ کے مہذب جرنیلوں کی غیر مقاتلین کے بارے میں تعلیماتِ عالیہ بھی ملاحظہ ہوں:

> ''گولہ باری کے وقت محصورین میں عورتوں اور بچوں اور دوسرے غیر مقاتلین کا موجود ہونا ہی جنگی نقطہ نظر سے مطلوب ہے کیونکہ صرف اسی صورت میں محاصر فوج محصورین کو خوفزدہ کرکے ہتھیار ڈالنے پر جلدی سے جلدی مجبور کرسکتی ہے۔'' (الجہاد فی الاسلام: ص ۵۷۰)

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی ہند میں انگریزوں نے جس بے دردی اور سنگدلی سے بچوں اور عورتوں کو قتل کیا، اس کا اندازہ درج ذیل اقتباس سے لگایا جاسکتا ہے

> ''جنگِ آزادی میں ۲۷ ہزار اہل اسلام نے پھانسی پائی، سات دن برابر قتل عام ہوتا رہا جس کا کوئی حساب نہیں، بچوں تک کو مار ڈالا گیا، عورتوں سے جو سلوک کیا گیا وہ بیان سے باہر ہے۔ اس کے تصور سے ہی دل دہل جاتا ہے۔ (تاریخ ندوۃ العلماء از مولوی محمد جلیس: حصہ اوّل، ص ۴)

۱۹۰۷ء کی ہیگ کانفرنس میں غیر مقاتلین کو تحفظ دینے کا معاہدہ طے ہوا لیکن اس معاہدہ کے بعد جب متحدہ ریاست بلقان اور ترکی کے درمیان جنگ ہوئی تو اس میں ۲ لاکھ چالیس ہزار غیر مقاتلین مسلمان تلوار کے گھاٹ اُتار دیئے گئے۔ (الجہاد فی الاسلام: ص ۵۷۱)

جنگِ عظیم اوّل اور دوم میں مہذب یورپ کے مہذب جرنیلوں نے جس سنگدلی اور بربریت کے ساتھ شہری آبادیوں پر بمباری کی، اس نے مقاتلین اور غیر مقاتلین کا تصور ہی ختم کردیا۔ جنگِ عظیم دوم میں جدید تہذیب وتمدن کے تین بڑے علمبرداروں (امریکہ کے ٹرومین، برطانیہ کے چرچل اور روس کے سٹالن) نے جاپان کا سلسلہ فتوحات روکنے کے لئے ایک اجلاس میں متفقہ طور پر جاپان کی شہری آبادی کو ایٹم بم کا نشانہ بنانے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ ۶/ اگست کو ہیروشیما اور ۹/ اگست ۱۹۴۵ء کو ناگاساکی پر ایٹم بم گرا کر ڈیڑھ لاکھ غیر مقاتلین کی شہری آبادی کو آنِ واحد میں صفحہ ہستی سے مٹا دیا گیا۔ (قومی ڈائجسٹ: جولائی ۱۹۹۵ء)

اقوامِ مغرب کی مکاری اور عیاری واقعی قابل داد ہے کہ ایک طرف دورانِ جہاد صرف ایک خونِ ناحق پر ناراض ہونے والے پیغمبر اسلام ﷺ ...... جس نے اس کے نتیجہ میں ہمیشہ کے لئے مستقل ضابطہ بنا دیا کہ دورانِ جہاد کسی غیر متعلق بچے، بوڑھے، عورت، مزدور اور تارک الدنیا درویش کو قتل نہ کیا جائے......

کی تلوار انسانیت دشمن[6] وہ پیغمبر خونی پیغمبر، اس کی تعلیمات دہشت گردی اور دوسری طرف ہزاروں نہیں لاکھوں بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو بے دریغ قتل کرنے والے زہریلی گیسوں سے ہلاک کرنے والے، ایٹم بموں سے ہنستے بستے گھروں اور شہروں کو صفحہ ہستی سے مٹانے والے خون خوار درندے اور قصاب مہذب، امن پسند اور انسانیت کے خیر خواہ......؟؟؟

۳۔ اسیرانِ جنگ سے سلوک

رسولِ اکرم ﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں دشمنانِ اسلام کے خلاف سات جنگیں لڑیں، ان میں سے دو جنگوں میں دشمن کے قیدی مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ غزوۂ بدر میں ۷۰ اور غزوۂ حنین میں ۶ ہزار۔ جنگ بدر کے قیدی وہ لوگ تھے جنہوں نے ظلم وتشدد کر کے مسلمانوں کو جلاوطنی پر مجبور کر دیا تھا، اس کے باوجود رسولِ اکرم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو ان قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا تو صحابہ کرامؓ نے اس شدت سے اس حکم پر عمل کیا کہ خود کھجوریں کھا کر گزارا کرتے اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے۔ جن قیدیوں کے پاس کپڑے نہیں تھے، انہیں کپڑے مہیا کئے۔ (تاریخ اسلام: ص ۴۲)

کچھ مدت بعد بعض قیدیوں سے فدیہ لے کر انہیں رہا کر دیا گیا بعض قیدیوں کو بلا فدیہ بطورِ احسان رہا کیا گیا اور بعض قیدیوں کو دس دس بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھانے کے عوض رہا کیا گیا۔ یاد رہے کسی ایک بھی قیدی کو نہ تو قتل کیا گیا، نہ کسی سے انتقام لیا گیا بلکہ ایک قیدی سہیل بن عمرو جو بڑا شعلہ بیان خطیب تھا اور رسول اکرم ﷺ کے بارے میں اشتعال انگیز تقریریں کیا کرتا تھا، کے بارے میں حضرت عمرؓ نے تجویز پیش کی کہ اس کے اگلے دو دانت تڑوا دیجئے تاکہ آئندہ یہ آپ کے خلاف شعلہ بار تقریریں نہ کر سکے۔ رحمتِ عالم ﷺ نے یہ تجویز مسترد فرما کر اسیرانِ جنگ سے حسن سلوک کی ایسی زرّیں مثال قائم فرمائی جو رہتی دنیا تک جنگوں کی تاریخ میں اپنی مثال آپ رہے گی۔

غزوۂ حنین میں چھ ہزار اسیرانِ جنگ کو محسن انسانیت ﷺ نے نہ صرف بطورِ احسان بلا فدیہ رہا فرمایا بلکہ رہائی کے وقت تمام قیدیوں کو ایک ایک چادر بطورِ ہدیہ عنایت فرمائی۔ (الرحیق المختوم: ص ۶۷۱)

اجتماعی قیدیوں کے ساتھ ساتھ ایک انفرادی قیدی کا تذکرہ بھی پڑھ لیجئے۔ یمامہ کا حاکم ثمامہ بن اثال گرفتار ہو کر رسول اکرم ﷺ کے پاس آیا تو رسولِ اکرم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کا حکم دیا اور خود گھر جاتے ہی فرمایا ''گھر میں جو کھانا موجود ہے، وہ ثمامہ کو بھجوا دیا جائے نیز

(۶) ہندوستان میں یوپی کے گورنر سر ولیم میور نے پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف کتاب لکھی جس میں اس نے لکھا ہے کہ ''انسانیت کے دو سب سے بڑے دشمن ہیں: محمد ﷺ کی تلوار اور محمد کا قرآن'' (موجِ کوثر از شیخ محمد اکرم: ص ۱۶۳)

فرمایا کہ روزانہ میری اونٹنی کا دودھ صبح وشام اسے بھجوا دیا جائے''۔ یاد رہے کہ ثمامہ ماضی میں نہ صرف رسول اکرم ﷺ کو قتل کرنے کی کوشش کرچکا تھا بلکہ کئی صحابہ کرامؓ کا قاتل بھی تھا۔ اس کے باوجود تین چار دن کے بعد رسولِ اکرم ﷺ نے اسے بطورِ احسان بلا فدیہ رہا کرنے کا حکم دیا تو اس حسن سلوک اور فیضانِ عفوو کرم سے متاثر ہوکر ثمامہ مسلمان ہوگیا۔

اب ایک نظر 'مہذب اور امن پسند' یورپ کے اسیرانِ جنگ سے 'حسن سلوک' پر بھی ڈال لیجئے:

قیصر روم باسل (۹۶۳ء تا ۱۰۲۵ء) نے بلغاریہ پر فتح حاصل کی تو پندرہ ہزار اسیرانِ جنگ کی آنکھیں نکلوا دیں۔ ہر سو قیدی کے بعد ایک قیدی کی ایک آنکھ باقی رہنے دی تاکہ وہ ان اندھوں کو گھروں تک پہنچا سکیں۔ (یورپ پر اسلام کے احسان از ڈاکٹر غلام جیلانی برق: ص ۸۲)

ایک جنگ میں رومی عیسائیوں نے مسلمانوں کو شکست دی تو تمام مسلم اسیرانِ جنگ کو سمندر کے کنارے لٹا کر ان کے پیٹ میں لوہے کے بڑے بڑے کیل ٹھونک دیئے تاکہ بچے کھچے مسلمان جب جہازوں پر واپس جائیں تو اس منظر کو دیکھ سکیں۔ (ایضاً)

۱۷۹۹ء میں مہذب یورپ کے سب سے بڑے جنرل نپولین بونا پارٹ نے یافا کے چار ہزار ترک اسیرانِ جنگ کو محض اس عذر کی بنا پر قتل کرا دیا کہ وہ انہیں کھلانے کے لئے خوراک مہیا نہیں کرسکتا اور نہ مصر بھیجنے کا انتظام کرسکتا ہے۔ (الجہاد فی الاسلام: ص ۵۴۶)

جنگِ عظیم دوم (۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۵ء) میں فلپائن کے ایک محاذ پر امریکہ اور فلپائن کی مشترکہ فوج کے ۷۵ ہزار فوجیوں نے جاپانی فوج کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ فاتح فوج نے ۷۵ ہزار اسیرانِ جنگ کو شدید گرمی، بھوک اور پیاس کی حالت میں ۶۵ میل پیدل چلا کر نظر بندی کیمپوں تک پہنچنے کا حکم دیا۔ بیشتر اسیرانِ جنگ طویل سفر کی ناقابل برداشت صعوبتوں کی وجہ سے راستے میں ہی ہلاک ہوگئے۔ تاریخ میں اس سنگدلانہ اور بے رحمانہ سفر کو Death March کا نام دیا گیا ہے۔ (قومی ڈائجسٹ: جولائی ۹۵ء)

قارئین کرام! تاریخ کے دو کردار، دو نظامِ حیات، دو عقیدے، دو نظریے اور دو راستے ہمارے سامنے ایک کھلی کتاب کی طرح رکھے ہیں، کیا یہ حقیقت سمجھنے میں کوئی دقت یا دشواری پیش آرہی ہے کہ کون سے نظامِ حیات یا عقیدے کی بنیاد نیکی، احسان، امن، سلامتی، شرافت اور احترامِ آدمیت پر ہے اور کون سے نظامِ حیات یا عقیدے کی بنیاد ظلم، خون ریزی، غارت گری، انسانیت دشمنی، دہشت گردی، سنگدلی، بے رحمی اور وحشت و بربریت پر ہے؟

۴۔ مفتوحین سے سلوک

فتح کے بعد فاتح قوم، مفتوح قوم سے بڑا سنگدلانہ اور بے رحمانہ سلوک کرتی ہے۔ قدیم اور جدید

عہد کی تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے لیکن پیغمبر اسلامؐ نے اپنے دشمنوں پر مکمل دسترس حاصل کرنے کے بعد رحمدلی، خدا ترسی، عفو وکرم اور حسن سلوک کی نادر مثالیں پیش کرکے جنگوں کی تاریخ میں ایک نئے زرّیں باب کا اضافہ فرمایا۔

مکہ فتح ہوا تو تمام اکابر مجرمین، جن میں نبی اکرم ﷺ کے حلیف قبیلہ بنوخزاعہ کے حرم کے اندر خون بہانے والا عکرمہ بن ابی جہل، رسولِ اکرم ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کو نیزہ مار کر اونٹ سے گرانے والا ہبار بن اسود (یاد رہے کہ اونٹ سے گرنے کے نتیجہ میں حضرت زینبؓ کا حمل ساقط ہوگیا تھا) مکی زندگی میں بیت اللہ شریف کی چابی نبی اکرم ﷺ کو دینے سے سختی سے انکار کرنے والا عثمان بن طلحہ، مکہ مکرمہ میں داخلہ کے وقت لشکر اسلام کی مزاحمت کرنے والا صفوان بن امیہ، آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ کو شہید کرکے جسم مبارک کا مثلہ کرنے والا وحشی بن حرب، حضرت حمزہؓ کا کلیجہ نکال کر چبانے والی ہند بنت عتبہ، سارے کے سارے مجرم موجود تھے۔ رحمت ِعالم ﷺ نے خطابِ عام فرمایا اور پوچھا: ''تم لوگ مجھ سے کس سلوک کی توقع رکھتے ہو؟'' لوگوں نے کہا: ''آپ شریف بھائی ہیں اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔'' آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا: ﴿لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ......﴾

''آج تم پر کوئی سرزنش نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو''

مفتوح قوم سے حسن سلوک کی اس پیغمبرانہ تعلیم کا ہی نتیجہ تھا کہ عہد ِنبوت کے بعد مسلم فاتحین بھی اس طرزِ عمل پر کاربند رہے۔ عہد ِصدیقی میں جب حیرہ فتح ہوا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے وہاں کے عیسائیوں کو ازروئے معاہدہ یہ حقوق عطا فرمائے:

''ان کی خانقاہیں اور گرجے منہدم نہیں کئے جائیں گے، کوئی جنگی قلعہ نہیں گرایا جائے گا، ناقوس بجانے کی اجازت ہوگی، تہوار کے موقع پر صلیب نکالنے کی اجازت ہوگی''

جزیہ کی شرح محض دس درہم سالانہ تھی جو کہ سات ہزار میں سے صرف ایک ہزار ذمیوں سے وصول کی جاتی، اپاہج اور نادار ذمیوں کی کفالت کا اسلامی بیت المال ذمہ دار تھا۔ (تاریخ اسلام، ص۱۵۴)

حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کو فتح کیا تو مفتوح قوم کو ان الفاظ میں معاہدۂ امن لکھ کر دیا

''یہ وہ امان ہے جو اللہ کے بندے امیر المومنین عمرؓ نے ایلیا کے لوگوں کو دی۔ یہ امان ان کی جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کے لئے ہے، نہ ان کے گرجاؤں میں سکونت کی جائے گی، نہ وہ گرائے جائیں، نہ ان کی صلیبوں اور ان کے اموال میں کمی کی جائے گی۔ مذہب کے معاملہ میں ان پر کوئی جبر نہیں کیا جائے گا'' (تاریخ اسلام، ص۱۸۹)

عہد فاروقی میں ہی مسلم افواج کے سپہ سالار حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کو رومیوں کے دباؤ کی وجہ سے شام کا ایک شہر چھوڑنا پڑا تو حضرت ابوعبیدہؓ نے ذمیوں کا جزیہ یہ کہہ کر واپس لوٹا دیا کہ اب ہم تمہاری

حفاظت کرنے سے قاصر ہیں۔ وہ سماں دیکھنے کا قابل تھا کہ مسلمان رختِ سفر باندھ رہے تھے اور عیسائی زار زار رو رہے تھے، ان کے بشپ نے ہاتھ میں انجیل لے کر کہا

''اس مقدس کتاب کی قسم! اگر کبھی ہمیں اپنا حاکم خود منتخب کرنے کا اختیار دیا گیا تو ہم عربوں کو ہی منتخب کریں گے۔'' (یورپ پر اسلام کے احسان، ص ۱۲۸)

۷۱۱ء میں مجاہد اسلام محمد بن قاسم نے سندھ فتح کیا اور صرف تین سال وہاں قیام کیا۔ ان تین برسوں میں محمد بن قاسم نے اپنے حسن سلوک اور حسن تدبر سے سندھیوں کو اس حد تک اپنا گرویدہ بنا لیا کہ وہ اس کی ماتحتی میں اپنے ہی فوجی سرداروں سے لڑنا باعثِ فخر سمجھتے تھے۔ تین سال بعد جب محمد بن قاسم عراق واپس جانے لگا تو لوگوں کی اشکبار آنکھیں ان کے اندرونی غموں کی غمازی کر رہی تھیں۔ لوگ عرصہ دراز تک اس کی جرات، نیک سلوک اور پروقار شخصیت کی باتیں کرتے رہے۔ (اسلامی تاریخ پاک و ہند، از ہدایت اللہ خان چوہدری، ص۱۲)

۷۱۱ء میں مسلمانوں نے اندلس فتح کیا تو فاتح قوم کے حسن سلوک کی گواہی ایک انگریز مؤرخ ول ڈیوران نے ان الفاظ میں دی'' اندلس پر عربوں کی حکومت اس قدر عادلانہ، عاقلانہ اور مشفقانہ تھی کہ اس کی مثال اندلس کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ (یورپ پر اسلام کے احسان، ص۱۳۲)

۱۰۷۱ء میں سلجوقی سلطان الپ ارسلان نے دیو جانوس رومانوس کو شکست دی۔ قیصر گرفتار ہو کر ارسلان کے سامنے پیش ہوا تو اس نے پوچھا ''اگر میں گرفتار ہو کر تمہارے سامنے پیش ہوتا تو تم مجھ سے کیا سلوک کرتے؟'' قیصر نے جواب دیا ''میں کوڑوں سے تمہاری کھال کھینچ لیتا۔'' سلطان نے کہا ''مسلمان فاتح اور غیر مسلم فاتح میں یہی فرق ہے۔'' اس کے بعد قیصر کے ساتھ جزیہ کی انتہائی معقول شرائط طے کر کے اسے بے بہا تحائف عطا کئے، اس کی سلطنت اسے واپس کر دی اور بڑے شان و احترام سے رخصت کیا۔ (یورپ پر اسلام کے احسان، ص ۱۲۸)

۱۱۸۷ء میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس فتح کیا تو کسی عیسائی کو کوئی تکلیف نہ دی اور ہلکا سا ٹیکس (جزیہ) لگانے کے بعد سب کو مذہبی آزادی دے دی اور دورانِ جنگ عیسائیوں کا سپہ سالار رچرڈ اوّل بیمار ہوا تو صلاح الدین اسے کھانا، پھل اور دیگر مفرحات بھجواتا رہا۔ (ایضاً: ص ۸۳)

۱۱۹۳ء میں والی قرطبہ ابو یوسف یعقوب بن منصور نے طلیطلہ کا محاصرہ کیا جس پر ایک عیسائی شہزادی حکومت کر رہی تھی۔ شہزادی نے ابو یوسف کو پیغام بھجوایا کہ عورتوں پر حملہ کرنا بہادروں کا شیوہ نہیں۔ ابو یوسف نے شہزادی کو سلام بھجوایا اور محاصرہ فوراً اٹھا لیا۔'' (ایضاً: ص ۱۳۰)

مسلم فاتحین کے اس حسن سلوک کے نتیجہ میں وہاں کے خاص و عام میں اسلام کس تیزی اور سرعت

سے پھیلا، یہ تاریخ کا ایک الگ سنہری باب ہے جو ہمارے موضوع سے تعلق نہیں رکھتا، لہٰذا ہم اپنے موضوع کی طرف واپس پلٹتے ہوئے اب مفتوح اقوام کے ساتھ غیر مسلم فاتحین کے 'حسن سلوک' کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں:

۶۱۳ء میں شہنشاہِ ایران خسرو پرویز نے قیصر روم ہرقل کو شکست دی تو ہرقل نے صلح کی درخواست کے لئے اپنا ایک وفد خسرو کے پاس بھیجا۔ خسرو نے سربراہِ وفد کی جیتے جی کھال کھنچوا دی اور باقی ارکانِ وفد کو قید کردیا اور صلح کی پیشکش کے جواب میں جو خط لکھا اس کا سرنامہ یہ تھا۔ خسرو، خداوندِ بزرگ، فرمانروائے عالم کی جانب سے اس کے احمق اور کمینہ غلام ہرقل کے نام'' (الجہاد فی الاسلام، ص ۲۰۹)

خسرو نے صلح کے لئے جو شرائط مقرر کیں، وہ یہ تھیں:

''ڈھائی لاکھ پونڈ سونا، ڈھائی لاکھ پونڈ چاندی، ایک ہزار ریشمی تھان، ایک ہزار گھوڑے کے ساتھ ایک ہزار کنواری لڑکیاں، ہرقل ادا کرے گا۔ ہرقل نے یہ سب کچھ دینا منظور کرلیا تو خسرو نے مزید مطالبہ یہ کیا کہ ہرقل زنجیروں میں جکڑا ہوا میرے تخت کے نیچے ہونا چاہئے اور میں اس وقت تک صلح نہیں کروں گا جب تک شہنشاہِ روم اپنے مصلوب خدا کو چھوڑ کر سورج دیوتا کے آگے سر نہ جھکائے۔'' (غزواتِ مقدس: ص ۲۵۸)

تیسری صلیبی جنگ میں برطانیہ کے 'شیر دل' رچرڈ اوّل (۱۱۸۹ء۔۱۱۹۹ء) نے اسلامی فوج کے ایک دستے کو جو تین ہزار افراد پر مشتمل تھا، وعدہ معافی دے کر ہتھیار رکھوا لئے اور بعد میں سب کو قتل کرڈالا۔ (یورپ پر اسلام کے احسان، ص ۸۳)

۱۸۳۷ء میں فرانس نے الجزائر کا دارالحکومت قسطنطنیہ فتح کیا تو اس کی فوجیں تین دن تک قتل و غارت میں مشغول رہیں۔ (الجہاد فی الاسلام، ص ۵۷۵)

۱۸۵۷ء میں انگریزوں نے جب دِلی فتح کی تو فاتح قوم نے مفتوح قوم کے ساتھ جس درندگی، وحشت اور بربریت کا مظاہرہ کیا، تاریخ انسانی اس کے ماتم سے قیامت تک فارغ نہیں ہوسکے گی۔ انگریزوں کے ظلم اور بربریت کی چند جھلکیاں ملاحظہ ہوں:

۱۔ دہلی میں جس شخص کے چہرے پر داڑھی نظر آتی یا جس کا پاجامہ اونچا ہوتا، اسے تختہ دار پر لٹکا دیا جاتا۔ (سوانح سید عطاء اللہ شاہ بخاری از شورش کاشمیری: ص ۱۳۷، ۱۳۸)

۲۔ سرہنری کاٹن کی یاداشتوں سے ایک اقتباس ''میں نے اپنے سکھ اردلی کی خواہش پر ان بدبخت مسلمانوں کو عالم نزع میں دیکھا جن کی مشکیں کس کے زمین پر برہنہ ڈال دیا گیا تھا۔ ان کے جسم پر گرم تانبے کی سلاخیں داغ دی گئی تھیں۔ میں نے انہیں پستول سے ختم کردینا ہی مناسب سمجھا، ان

بدنصیب قیدیوں کے سڑے ہوئے گوشت سے مکروہ بدبو نکل کر آس پاس کی فضا کو مسموم کر رہی تھی۔'' (ایضاً: ص ۱۳۷، ۱۳۸)

۳۔ مسٹر ڈی لین ایڈیٹر 'ٹائمز آف انڈیا' کے مضمون کا ایک اقتباس ''زندہ مسلمانوں کو سور کی کھال میں سینا یا پھانسی دینے سے پہلے ان کے جسم پر سور کی چربی ملنا یا زندہ آگ میں جلانا اور انہیں مجبور کرنا کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ بدفعلی کریں یقیناً عیسائیت کے نام پر ایک بدنما دھبہ ہے'' (ایضاً)

۴۔ جنرل نکلسن نے دریائے راوی کے کنارے جس بہیمانہ طریقے سے باغیوں کو قتل کیا، وہ ایک لرزہ خیز داستان ہے۔ انگریز مؤرخوں نے خود اسے انگریز قوم کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ قرار دیا۔ بقول لارڈ الفسٹن ''ہماری فوج کے مظالم کا تذکرہ روح میں کپکپی پیدا کردیتا ہے۔ جہاں تک لوٹ مار کا تعلق ہے، ہم نادر شاہ ایرانی سے بھی بازی لے گئے ہیں'' (ایضاً: ۱۳۶)

۱۹۱۸ء میں سوویت یونین نے قازقستان پر قبضہ کیا تو وہاں کی تمام مساجد اور دینی مدارس منہدم کردیئے۔ علماء اور اساتذہ کو فائرنگ اسکواڈ کے سامنے بھون دیا گیا۔ ان ظالمانہ کارروائیوں میں دس لاکھ قازق مسلمان شہید کئے گئے۔ (ماہنامہ اُردو ڈائجسٹ، جولائی ۱۹۹۵ء)

۱۹۴۶ء میں یوگوسلاویہ میں کمیونسٹ انقلاب آیا تو کمیونسٹوں نے چوبیس ہزار سے زائد مسلمانوں کو تہ تیغ کیا۔ سترہ ہزار سے زائد مساجد اور مدارس مسمار کئے اور بیشتر مساجد کی جگہ ہوٹل اور سینما جات تعمیر کردیئے۔ آج جس جگہ سربیا کے دارالحکومت بلغراد کا اسمبلی ہاؤس واقع ہے وہاں بلغراد کی سب سے زیادہ خوبصورت وسیع وعریض مسجد واقع تھی جو ۱۵۲۱ء میں تعمیر کی گئی تھی۔ (مجلہ الدعوۃ: فروری ۱۹۹۳ء)

دارو سکندر سے لے کر ترقی یافتہ یورپ کے مہذب جرنیلوں تک کی روایت یہی ہے کہ فاتح قوم مفتوح قوم کے مردوں، عورتوں، بچوں، بوڑھوں کو بے دریغ قتل کرتی ہے۔ شہریوں اور بستیوں کو تاراج کرتی ہے، سرسبز وشاداب کھیتوں اور باغات کو برباد کرتی ہے، گھروں اور عمارتوں کو نذرِ آتش کرتی ہے، لیکن پیغمبر اسلام نے اس خونی روایت سے ہٹ کر ایک عظیم انقلابی اور اِصلاحی روایت کی طرح ڈالی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ پیغمبر اسلام کا مشن لوگوں کی جانیں لینا نہیں، جانیں بچانا تھا، زمین کے خطوں کو فتح کرنا نہیں بلکہ دلوں کو فتح کرنا تھا، انسانوں کو ذلیل اور رسوا کرنا نہیں بلکہ عزوشرف عطا کرنا تھا۔ شہروں اور بستیوں کو ویران کرنا نہیں بلکہ آباد کرنا تھا۔ درندگی، دہشت گردی اور فساد فی الارض برپا کرنا نہیں بلکہ درندگی، دہشت گردی اور فساد فی الارض کا قلع قمع کرنا تھا۔ ہر وہ شخص جو ضمیر کی آواز رکھتا ہے، جس کا دل اور دماغ تعصب سے اندھا نہیں ہوا، وہ پیغمبر اسلام کی قائم کی ہوئی اس عظیم انقلابی اور اصلاحی روایت میں پیغمبر اسلام کے مقدس مشن کو بڑی آسانی سے دیکھ سکتا ہے۔

۵۔جنگوں میں ہلاکت کے اعداد وشمار

رسول اکرم ﷺ نے دس سالہ مدنی زندگی میں سات جنگیں لڑیں جن میں طرفین سے کام آنے والے افراد کی تعداد درج ذیل ہے :

غزوہ/سریہ	مسلمانوں کا نقصان			دشمن کا نقصان		
	اسیر	زخمی	شہید	اسیر	زخمی	مقتول
ا۔ غزوۂ بدر	......	......	۲۲	۷۰	......	۷۰
۲۔ غزوۂ اُحد	......	۴۰	۷۰	......	......	۳۰
۳۔ غزوۂ اَحزاب	......	......	۶	......	......	۱۰
۴۔ غزوۂ خیبر	......	۵۰	۱۸	......	......	۹۳
۵۔ سریۂ موتہ	......	......	۱۲	......	......	نامعلوم
۶۔ غزوۂ مکہ	......	......	۲	......	......	۱۲
۷۔ غزوۂ حنین	......	......	۶	۶۰۰۰	......	۷۱
کل تعداد	......	۹۰	۱۳۶	۶۰۷۰	......	۲۸۶

غزوات اور سرایا میں دونوں طرف سے کام آنے والے افراد کی کل تعداد = ۴۲۲ (۷)

(۷) عام طور پر مؤرخین اور سیرت نگاروں نے رسولِ اکرم ﷺ کے غزوات اور سریا کی تعداد ۸۲ لکھی ہے جو درست نہیں۔ غزوات کی تعداد صرف ۷ ہے، البتہ حیاتِ طیبہ کی تمام چھوٹی بڑی کاروائیوں کی تعداد ۸۲ ہے جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے

کارروائیوں کا مقصد	کارروائیاں	شہداء	مقتولین دشمن
ا۔تبلیغ اسلام اور تکمیل معاہدات	۵	......	......
۲۔بت شکنی کی مہمات	۳	......	......
۳۔دشمن کی طرف سے ڈاکہ زنی کے بعد مسلمانوں کا تعاقب	۱۰	۱۹	۱۲
۴۔ذاتی نوعیت کے واقعات قتل	۵	......	۵
۵۔غلط فہمی کی بنا پر پیش آنے والے تصادم	۶	......	۱۲۷
۶۔سرحدوں کی حفاظت کے لئے کی گئی کارروائیاں	۳۸	۷۳	۱۱
۷۔دشمن کی طرف سے دھوکہ دہی اور بغاوت کے واقعات	۸	۰۸۲	۴۱۰
۸۔جنگیں (غزوات وسرایا)	۷	۱۳۶	۲۸۶
کل تعداد	۸۲	۳۱۰	۸۵۱

۲۸ کاروائیوں میں دونوں طرف سے کام آنے والے افراد کی تعداد: ۱۱۶۱

نوٹ: دونوں جدول ترتیب دینے میں زیادہ تر انحصار قاضی سلیمان منصور پوریؒ مؤلف رحمۃ للعالمین کی تحقیق پر کیا گیا ہے، مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، رحمۃ للعالمین: ج ۲، باب غزوات وسرایا۔

پس رسولِ اکرم ﷺ کی دس سالی مدنی زندگی میں پیش آنے والی سات جنگوں میں مسلم شہدا کی تعداد ۱۳۶ اور دشمن کے مقتولین کی تعداد ۲۸۶ اور طرفین سے کام آنے والے تمام اَفراد کی کل تعداد ۴۲۲ ہے اور اسیرانِ جنگ کی تعداد ۶۰۷۰ ہے۔ یاد رہے کہ اسیرانِ جنگ میں سے کوئی ایک بھی قتل نہیں کیا گیا بلکہ سارے کے سارے قیدی بخیریت رہا کئے گئے۔

سات جنگوں میں کام آنے والے افراد کی یہ محیر العقول تعداد اس زمانے کی ہے جس زمانے میں انتقام در انتقام کی شکل میں ہونے والی طویل جنگوں میں لاکھوں انسانوں کی ہلاکت ایک معمولی بات سمجھی جاتی تھی۔ آیئے ایک نظر آج کے مہذب اور امن پسند یورپ کی جنگوں پر ڈالیں اور دیکھیں کہ وہ دورِ جاہلیت کی وحشت اور بربریت سے کس قدر مختلف ہے؟

جنگِ عظیم اوّل (۱۴ تا ۱۹۱۸ء) میں مجموعی طور پر ۷۵ لاکھ افراد ہلاک ہوئے۔ ایک کھرب ۸۶ ارب ڈالر کے وسائل حیات کو نذرِ آتش کیا گیا۔ (جہانگیر انسائیکلو پیڈیا آف جنرل نالج از زاہد حسین انجم: ص ۳۸۱)

جنگِ عظیم دوم (۱۹۳۹ء۔ ۱۹۴۵ء) میں مجموعی طور پر ساڑھے چار کروڑ انسان ہلاک ہوئے، صرف ایک شہر سٹالن گراڈ میں دس لاکھ اَفراد لقمہ اَجل بنے۔ جرمنی میں ساٹھ لاکھ انسان گیس چیمبروں کے ذریعے ہلاک کئے گئے۔ جاپان کے دو شہر مکمل طور پر صفحۂ ہستی سے مٹا دیئے گئے۔ بیک وقت چار براعظموں ...... یورپ، امریکہ، ایشیا اور افریقہ ...... پر مسلسل ۶ برس تک اس منحوس جنگ کے مہیب سائے چھائے رہے۔ چار براعظموں کے انسٹھ ممالک (پچاس اتحادی اور نو محوری) آپس میں دست و گریبان ہوئے جن میں سے صرف ایک ملک امریکہ کا اس جنگ میں تین کھرب ساٹھ ارب ڈالر کا خرچ اُٹھا۔ (ماہنامہ قومی ڈائجسٹ لاہور، جولائی ۱۹۹۵ء)

مذکورہ اَعداد و شمار دیکھنے کے بعد ہم یورپ کے واقعتاً مہذب، امن پسند اور سنجیدہ ماہرین حرب و ضرب سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ دنیا کی تاریخ میں کسی بھی چھوٹے سے چھوٹے انقلاب کے لئے دو طرفہ کام آنے والے نفوس کی ایسی ناقابل یقین حد تک کم تعداد کی اگر کوئی دوسری مثال ہے تو پیش کیجئے، اگر نہیں (اور واقعی نہیں) تو پھر ہم یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ اگر اتنے عظیم سیاسی، تمدنی اور روحانی انقلاب کی خاطر دو طرفہ کام آنے والے ۴۲۲ نفوس کی مثال دنیا کی تاریخ میں ناپید ہے اور اس کے باوجود تمہارے نزدیک پیغمبر اسلام کی تلوار انسانیت کی دشمن ہے، پیغمبر اسلام، خونی پیغمبر ہے، اس کی تعلیمات سے بوئے خوں آتی ہے، اس کا لایا ہوا دین قصاب کی دوکان ہے اور اس کا دیا ہوا فلسفہ جہاد، دہشت گردی اور فساد فی الارض ہے تو پھر جنگِ عظیم اوّل اور دوم کی داستانیں پڑھ کر بتاؤ کہ کرۂ ارضی کو دو مرتبہ آگ اور خون میں نہلانے والے خونخوار اور سفاک درندوں کو کس نام سے پکارو گے۔ کروڑوں معصوم اور بے گناہ جانوں کو ہلاک کرنے اور خون کی ندیاں بہانے والے قصابوں اور جلادوں کو کس لقب سے یاد کرو

گے؟ سرسبز و شاداب وادیوں اور مرغزاروں کو تاراج کرنے اور شہری آبادیوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے والے دہشت گردوں اور مفسدوں کو تاریخ میں کون سا مقام دو گے؟ نسل انسانی کے گلے میں طوقِ غلامی کی لعنت ڈالنے والے اور تڑپتی لاشوں پر اپنی عیش و عشرت کے محل سجانے والے مغرور شہنشاہوں کے لئے لغتِ انسانی کے کون سے الفاظ استعمال کرو گے؟

المیہ یہ ہے کہ اہل کتاب عہد نبوت میں بھی پیغمبر اسلام ﷺ کو خوب جاننے اور پہچاننے کے باوجود محض نسلی تعصب، حسد اور بغض کی وجہ سے ایمان نہیں لائے تھے اور آج بھی ایمان نہ لانے کی اصل وجہ یہی تعصب، حسد اور بغض ہے۔ عہد نبوت میں اُمّ المومنین حضرت صفیہؓ کا بیان کردہ واقعہ اس دعویٰ کا ناقابل تردید ثبوت ہے۔ حضرت صفیہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے چچا ابو یاسر بن اخطب کو سنا وہ میرے (یہودی) والد حیی بن اخطب سے کہہ رہا تھا ''کیا واقعی یہ وہی (نبی) ہے؟'' والد نے کہا ''ہاں! خدا کی قسم وہی ہے۔'' چچا نے کہا ''کیا آپ انہیں ٹھیک ٹھیک پہچان رہے ہیں؟'' والد نے کہا ''ہاں!'' چچا نے پوچھا ''پھر کیا ارادہ ہے؟'' والد نے کہا ''خدا کی قسم! عداوت ہی عداوت، جب تک زندہ رہوں گا'' (الرحیق المختوم، ص ۲۸۴)

عہد نبوت کو گزرے آج چودہ صدیاں بیت چکی ہیں لیکن افسوس کہ حریتِ فکر، آزادی رائے اور تہذیب جدید کے اس دور میں مغرب میں بسنے والا ترقی پسند انسان جو مادّی دنیا میں زمین سے چاند تک کا سفر طے کر چکا ہے، ایمان کی دنیا میں تعصب، بغض اور حسد کے مقام سے ایک انچ کا سفر بھی طے نہیں کر سکا۔ پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں آج بھی اس کا اندازِ فکر وہی ہے جو چودہ سو سال پہلے تھا ورنہ امر واقعہ یہ ہے کہ جب ساری دنیا میں ہر طرف شرک و بت پرستی کا دور دورہ تھا، جہالت، وحشت اور بربریت کے منحوس سائے چھائے ہوئے تھے۔ خون ریزی، غارت گری، انسانی زندگی کا لازمی جزو بن چکے تھے۔ شہنشاہوں اور ان کے حواریوں نے ہر جگہ رعایا کو بدترین مظالم کا نشانہ بنا رکھا تھا۔ مذہبی پروہتوں کی خانقاہیں عیش و عشرت کے اڈّے بنے ہوئے تھے، انسانیت بے بسی اور بے کسی کی خوفناک زنجیروں میں اس طرح جکڑی ہوئی تھی کہ نجات کے لئے کہیں سے اُمید کی موہوم سی کرن بھی نظر نہیں آتی تھی، اس وقت پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ، انسانیت کے نجات دہندہ بن کر اُٹھے اور صدیوں پرانے جمے جمائے بہیمانہ نظام سے ٹکر لے کر انتہائی مختصر مدت میں محض چار سو بائیس (۴۲۲) افراد کی قربانی سے پورے جزیرۂ عرب میں ایک ایسا عظیم الشان تہذیبی، سیاسی، اقتصادی اور روحانی انقلاب برپا کر دیا جو پیغمبرانہ بصیرت کے بغیر ممکن ہی نہیں اور پھر سات جنگوں میں صرف ۴۲۲ افراد کا زیاں اور ۶۰۷۰ اسیرانِ جنگ میں سے سارے کے سارے ۶۰۷۰ اسیرانِ جنگ کی بخیریت رہائی، کیا اس بات کا منہ بولتا ثبوت نہیں کہ پیغمبر اسلام خوں ریزی اور غارت، ہلاکت اور بربادی، دہشت اور بربریت، غلامی اور ذلت و نکبت کے نہیں، امن و سلامتی، رحم دلی و خدا ترسی، نیکی و احسان، شرافت و اُخوت، حریت و احترام آدمیت کے پیغمبر تھے؟

اہل مغرب کے نام

دنیا کو آج جس بدامنی، دہشت گردی، وحشت اور درندگی کا چیلنج درپیش ہے اس کے مقابلے میں انسانوں کے بنائے ہوئے نظریات ناکام ثابت ہوچکے ہیں۔ الہامی مذاہب میں اسلام کے علاوہ باقی تمام مذاہب تغیر وتبدل سے غیر محفوظ ہیں لہٰذا اب اسلام ہی وہ الہامی مذہب ہے جسے عہد جدید کے اس خوفناک چیلنج کو قبول کرنے کے لئے آزمایا جانا چاہئے۔ اہل مغرب کے نام ہمارا پیغام یہ ہے کہ وہ اسلام سے تصادم کا راستہ نہ اپنائیں، اسے اپنا حریف نہ سمجھیں، اس سے خائف نہ ہوں۔ اسلام سراسر امن وسلامتی اور محبت و اُخوت کا مذہب ہے اور اپنے سے پہلے آئے ہوئے مذاہب کی تائید کرنے والا ہے۔ اہل مغرب کو حریتِ فکر کے اس عہد میں تعصب سے بالاتر ہوکر پورے صدقِ دل سے پیغمبر اسلام کی سیرتِ طیبہ اور ان کی لائی ہوئی تعلیمات کا مطالعہ کرنا چاہئے اور حقائق کی تہ تک پہنچنا چاہئے۔

یاد رکھئے، آج اہل مغرب کے پاس دو ہی راستے ہیں: یا تو وہ پیغمبر اسلام ﷺ کی لائی ہوئی دعوت حق کو قبول کر کے دم توڑتی ہوئی انسانیت کو تباہی، ہلاکت اور بربادی سے بچالیں یا پھر اللہ تعالیٰ کی اس سنت کا انتظار کریں جو تھوڑا ہی عرصہ پہلے دریائے آمو کے اس پار بسنے والی دنیا کی ایک عظیم الشان قوت پر پوری ہوچکی اور جس کا ذکر اللہ نے اپنی کتابِ مقدس 'قرآن مجید' میں ان الفاظ کے ساتھ کیا ہے:

﴿وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِى الْبِلَادِ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ﴾ (۳۶:۵۰)

''ہم ان سے پہلے بہت سی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں جو ان سے بہت زیادہ طاقتور تھیں اور دنیا کے ملکوں کو انہوں نے چھان مارا تھا، پھر کیا وہ کوئی جائے پناہ پاسکے؟'' (سورہ ق:۳۶)

اسی موضوع پر محدث کی مجلس ادارت کے فاضل رکن، معروف محقق مولانا عبدالرحمن کیلانیؒ جن کا انتقال چند برس قبل ہوا ہے کا مقالہ بھی قابل مطالعہ ہے۔ یہ مقالہ بعنوان 'اشاعتِ اسلام اور تلوار' نومبر ۱۹۹۵ء کے محدث میں شائع شدہ ہے۔ (ادارہ)

مسلمان ہونا جرم ؟

افغانستان میں قحط سالی، بچوں کی ہلاکت اور مہاجرین کی حالتِ زار پر عالمی امداد کے بجائے امریکہ اور اقوامِ متحدہ کی طرف سے ناجائز پابندیاں ...... افغانوں کے مسلمان ہونے کی سزا ہے!

گزشتہ ۳ ہفتوں میں تقریباً ایک ہزار اموات صرف بھوک کی وجہ سے واقع ہوچکی ہیں۔

آئیے! دستِ تعاون بڑھایئے، افغان بھائیوں کی مدد کیجئے ...... سہارا دیجئے! ﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ﴾

اپنے عطیات، سامان خورد ونوش اور کپڑوں کی ترسیل کے لیے **اسلامک ویلفیئر ٹرسٹ** سے رابطہ فرمایئے

یاد رہے کہ ٹرسٹ کی طرف سے قربانی کا گوشت بڑی تعداد میں افغان بھائیوں تک پہنچایا گیا ہے۔

برائے رابطہ: اسلامک ویلفیئر ٹرسٹ ۹۹ جے ماڈل ٹاؤن، لاہور فون : 5866476,5866396